eISSN: 2073-3674
pISSN: 1991-7813

CC BY
OPEN ACCESS

# ترقی پسند شاعری کا تناظر اور فیض و فراز کی فکری مماثلت

# Intellectual similarities between Faiz and Faraz in the perspective of Progressive movement

مختار احمد، پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اردو، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان
Mukhtar Ahmad, Ph.D Scholar, Deptt of Urdu, BZU, Multan

ڈاکٹر محمد خاور نوازش، ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ اردو، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان
Dr. Khawar Nawazish, Associate Professor, Deptt of Urdu, BZU, Multan

ڈاکٹر محمد ساجد خان، پروفیسر (ریٹائرڈ)، شعبہ اردو، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان
Dr. Muhammad Sajid Khan, Professor, , Deptt of Urdu, BZU, Multan

Abstract

The progressive movement is the only ideological movement in Urdu literature and the ideology which is said to be the source of this movement was Marxism. Progressive Urdu writers made their pens the voice of the oppressed and exploited class of India. Not only that, but he also presented his specific views against colonialism in a broader perspective. The poetry of Faiz Ahmad Faiz, Makhdoom Mohi-ud-Din, Ali Sardar Jafari, Ahmad Nadeem Qasmi and Ahmad Faraz can be considered as representative of the presentation of progressive thought but interestingly, each writer had his own style of expression. Makhdoom and Ali Sardar Jafari do not speak the way Faiz speaks; the style of Ahmad Nadeem Qasmi is not that of Ahmad Faraz. But among the five poets mentioned above, the two who have more similarities in terms of thought and art are Faiz Ahmed Faiz and Ahmed Faraz. This research paper focuses on the intellectual similarities between Faiz and Faraz and their presentation.

Key words: Faiz Ahmad Faiz, Ahmad Faraz, Professive movement, similarities, Urdu Poetry

کلیدی الفاظ: فیض احمد فیض، احمد فراز، ترقی پسند تحریک، مماثلتیں، اردو شاعری

فیض احمد فیض اور احمد فراز میں پائی جانے والی ذاتی، نظریاتی اور شعری مماثلتیں ان کو سیاسی اور فنی اعتبار سے ایک دوسرے کے قریب لے آتی ہیں۔ فیض نے جس فکری اور شعری دبستان کی بنیاد رکھی احمد فرز اس کا نمایاں اور قد آور جانشین ثابت ہوا۔ دونوں کا نظریہ فن ادب برائے زندگی تھا۔ ادب برائے زندگی کا اظہار بڑے رومانوی اور دل کش انداز میں کیا ۔ فیض اور بعد ازاں فراز نے انقلابی سوچ اور فکر کو کھوکھلی نعرہ بازی بننے نہ دیا۔ وہ اوروں کو نصیحت یا وعظ نہیں دیتے ان کے مسائل کا احساس ان کے ساتھ رہ کر دلاتے ہیں۔ انہوں نے جذباتی طور پر بھی عام لوگوں کی طرح سوچا اور لکھا۔ اپنے منشور اور نظریے کو بہترین غنائیہ انداز میں بیان کر کے ان میں جذبات کی آنچ اور سوز کی آمیزش شامل کی۔ اسی انداز اظہار اور اسلوب بیان نے فیض احمد فیض اور احمد فراز کو اپنے عہد کے منفرد، ممتاز اور مقبول شعرا میں لا کھڑا کیا۔ فیض احمد فیض اردو شاعری کا ایک عہد ساز شاعر ثابت ہوا جس کی تقلید ان کے ہم عصر اور مابعد شعرا نے کرنے کی کوشش کی۔ احمد فراز کاروان فیض کا سب سے نمایاں اور صف اوّل کا جانشین بنا۔ وہ فیض کی نظریاتی اساس اور شعری روایت کا بھی امین ثابت ہوا۔ محمد علی صدیقی احمد فراز کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> "احمد فراز اردو زبان کے ایک ممتاز اور منفرد شاعر ہیں۔ ان کی شاعری گزشتہ دس پندرہ سال میں کچھ اس طور آگے بڑھی ہے کہ وہ فیض احمد فیض کی شعری روایت کے اہم شاعر تسلیم ہو چکے ہیں۔ فیض صاحب کے جیتے جی اس معجزہ کا ظہور اس امر کا ثبوت ہے کہ حالات کس قدر سنگین ہو چکے ہیں فیض صاحب نے لیلائے وطن کو حسین تر بنانے کے لئے جو مسلسل جدوجہد کی ہے فراز نے اس جدوجہد میں مقدور بھر حصہ لیا ہے۔ فراز آہستہ آہستہ ایک ایسے مقام پر آپہنچے ہیں جہاں شاعری وطن اور وطن شاعری یک جان دو قالب ہو چکے ہیں۔"(۱)

فیض احمد فیض اور احمد فراز میں جو ذاتی اشتراکات پائے جاتے ہیں وہ ان کی ذہنی تربیت اور کردار کی تشکیل میں بہت اہم ثابت ہوئے۔ دونوں شعرا کے گھر کا ماحول بڑا ادبی اور علمی تھا۔ فیض کے والد سلطان محمد خان فارسی پر دسترس رکھتے تھے جس کی وجہ سے فیض کو

قدیم اور فارسی ادب پڑھنے اور سمجھنے میں مدد ملی۔ یہی زبان وادب سے رغبت بعد میں ان کے کلام میں پائی جانے والی کلاسکیت کا سبب بنی۔

احمد فراز کے والد آغا برق کوہاٹی مختلف ادبی انجمنوں سے وابستہ ہونے کے ساتھ ساتھ اردو اور فارسی کے بہت بڑے اور صاحب دیوان شاعر تھے۔ آئے روز گھر میں ہونے والی ادبی محفلیں اور ہونے والے مشاعرے احمد فراز کی دلچسپی کا موجب تھے۔ احمد فراز کو بھی فارسی زبان وادب سے لگاؤ فیض صاحب کی طرح ورثے میں ملا۔

فیض صاحب کو نکھارنے اور فیض بنانے میں سب سے بڑا ہاتھ پطرس بخاری کا ہے جنھوں نے کالج کے زمانے میں فیض صاحب کے اندر کے فنکار کو پہچان لیا۔ وہ گورنمنٹ کالج لاہور کے پرنسپل تھے جب فیض صاحب وہاں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ کالج کی بزم ادب کے علاوہ، مشاعرے اور ادبی محافل جناب پطرس بخاری کی رہائش گاہ پر بھی ہوتی تھیں جن میں اساتذہ کے علاوہ چند طالب علم بھی شریک ہوتے۔ ان طالب علموں میں فیض احمد فیض اور ن۔م۔راشد نمایاں تھے۔ فیض کی حوصلہ افزائی میں پطرس بخاری کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔

پطرس بخاری کے چھوٹے بھائی ذوالفقار علی بخاری جن کو زیڈ۔اے۔بخاری کہا جاتا ہے جنھوں نے احمد فراز کو سرفراز کرنے میں بہت اہم کردار ادا کیا۔ رضا ہمدانی اور فارغ بخاری کی مجالس میں احمد فراز مستقل شرکت کرتے۔ وہاں ایک دن زیڈ۔اے۔ بخاری تشریف لائے انہوں نے احمد فراز کی شاعری کو سنا۔ ان کی حاضر دماغی اور بزلہ سنجی سے متاثر ہوئے۔ وہ ان دنوں ریڈیو پاکستان میں تھے۔ زیڈ۔اے بخاری نے احمد فراز کو ریڈیو پاکستان میں سکرپٹ رائٹر کے طور پر نوکری دلائی جہاں اس وقت نامور اہل قلم ریڈیو پاکستان سے وابستہ تھے۔ ان سب کی زیر تربیت اور خاص طور پر پطرس بخاری کے بھائی جناب زیڈ۔اے۔ بخاری نے احمد فراز کو کندن بنا دیا۔ فیض احمد فیض بڑے بخاری صاحب (پطرس بخاری) اور چھوٹے بخاری صاحب (زیڈ۔اے بخاری) کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "علم کے معاملے میں دونوں بھائی اپنی جگہ استاد سے کم نہ تھے بڑے بخاری صاحب کا انگریزی اور مغربی ادب کا مطالعہ بہت وسیع تھا انگریزی پر عبور کا یہ عالم تھا کہ زبان کے بنیادی اصولوں، محاوروں، روزمرہ اور لغت کے معاملات میں انگریز بھی کم ہی ان کی ہمسری کا دعویٰ کر سکتا تھا۔ چھوٹے بخاری صاحب نے اپنی توجہ اردو اور فارسی کی طرف کی ان کا طریقہ بھی صرف زبان کے فرق سے وہی تھا جو بڑے بخاری صاحب نے اختیار کیا یعنی بال کی کھال اتارنا، مستقات، تلفظ،

املا، ماخذ، معنی، استعمال، غرض ہر بات میں کمال۔ دونوں اہل زبان کو مات کرتے تھے وہ انگریزی کے اہل زبان کو مات کرتے تھے یہ اردو کے اہل زبان کو۔ زبان کے بارے میں تجسس اور تحقیق دونوں کی گھٹی میں پڑی تھی۔"(۲)

بخاری برادران کی زبان دانی اور ادب پر عبور ان کی نمایاں خصوصیات تھیں دونوں نے فیض اور فراز کی تربیت میں بنیادی کردار ادا کیا۔ اس مشترک بات نے ان کی شخصیت کو مماثل بنانے میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ زبان دانی اور روایتی کلاسیکی شاعری سے لگاؤ فیض اور فراز کو بخاری برادران سے ہم نشینی کے باعث حاصل ہوا۔ فیض زیڈ۔ اے۔ بخاری کی صحبت میں بھی رہے۔ فیض صاحب جب بھی کراچی ہوتے وہ بیزاری یا اکتاہٹ کا شکار ہوتے تو زیڈ۔ اے۔ بخاری کی محفل میں چلے جاتے۔ زیڈ۔ اے۔ بخاری بڑے محفل ساز آدمی تھے۔ ان کی شخصیت میں بڑا تنوع تھا۔ احمد فراز، زیڈ۔ اے۔ بخاری کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"بخاری صاحب کی شخصیت کے کئی پہلو تھے اور جو پہلو سامنے ہوتا دوسرے پہلو اوجھل ہو جاتے۔ ایسے لوگ یا تو شعبدہ گر ہوتے ہیں یا جینئس۔ بخاری صاحب جس وقت جس روپ میں ہوتے لگتا یہ ان کا اصلی اور بڑا روپ ہے۔ مگر دوسرے لمحے کسی اور شعبہ میں اپنے کرتب یا اعجاز دکھا رہے ہوتے تو تماشائی حیران رہ جاتے کہ کیا یہ وہی شخص ہے ۔ دفتر میں وہ افسر ہی نہیں انگریز افسر ہوتے۔ گھر پر وہ مکمل درویش، درویش بھی پانچواں درویش شعر و شاعری تو خیر ان کا سب سے محبوب میدان تھا۔ شام ہوتے ہی ان کے گھر اُن کے مداحوں، عقیدت مندوں اور حاجت مندوں کا میلا لگ جاتا۔"(۳)

بخاری برادران کے علاوہ فیض احمد فیض اور احمد فراز نے اپنے دور کے اساتذہ فن سے اکتساب فیض کیا۔ نامور شعراء اور اہلِ قلم کی ہم نشینی اور قرب نے ان کی فکری اور فنی تربیت کی۔ فیض صاحب بخاری برادران کے علاوہ ڈاکٹر ایم۔ڈی۔ تاثیر، صوفی غلام مصطفی تبسم، محمود الظفر اور رشید جہاں بیگم کی صحبت میں رہے۔ ن، م راشد ان کے ساتھ کالج میں ہوتے تھے۔ یوں ادبی ماحول فیض صاحب کو خوب میسر رہا۔

احمد فراز، زیڈ۔ اے بخاری کے علاوہ اپنے والد آغا برق کوہاٹی، رضا ہمدانی، فارغ، بخاری اس کے علاوہ خود فیض صاحب کی صحبت میں اکتساب فیض کیا۔ جلاوطنی کے زمانے میں فیض اور فراز ایک چھت تلے رہے، اس قرب اور ہم نشینی نے دونوں کو فکری اور فنی طور پر

ایک دوسرے کے قریب کر دیا۔ احمد فراز فیض صاحب سے نہ صرف متاثر تھے بلکہ اس بات پر فخر بھی کرتے تھے۔

ترقی پسند تحریک سے وابستگی نے فیض احمد فیض اور احمد فراز کو فکری اور نظریاتی طور پر ایک دوسرے کے قریب کر دیا۔ ان نظریات سے گہری وابستگی ان کی سب سے بڑی قدرِ مشترک ہے۔ دونوں انقلابی سوچ رکھتے تھے۔ شاعری میں بھی اپنے نظریات کا پرچار کیا۔ وہ ادب برائے زندگی پر یقین رکھتے تھے۔ ان کی شاعری میں مقصدیت اور حقیقی انسانی مسائل پر بات کی گئی ہے۔ انہوں نے مظلوم اور لاچار طبقے کے ساتھ اپنی وابستگی ظاہر کی۔ ان کے کلام میں درباری اور ایوان اقتدار میں براجمان طبقے کی مدح سرائی نہیں ہے۔ وہ غریبوں، مزدوروں اور کسانوں کی بات کرتے ہیں۔

اس فکری مماثلت کی بنیاد ان کی انقلابی سوچ تھی۔ وہ سرمایہ پرستی اور حاکم و محکوم میں تفاوت کے خلاف تھے۔ وہ دستیاب وسائل کی مساوی تقسیم پر زور دیتے تھے۔ انھی نظریات کی وجہ سے اُن کو ملک دشمن بلکہ دشمنِ دیں قرار دیا گیا۔ ان کو ملحد اور دہریہ قرار دے کر کچھ ملاؤں نے ان کو واجب القتل بھی قرار دیا۔ جن حکمرانوں کو ان کے نظریات سے خطرہ محسوس ہوتا وہ ان کو دشمن ملک کا ایجنٹ قرار دیتے تھے۔

فیض صاحب کی سوویت یونین سے محبت کے باعث ان کو پاکستان میں روس کا ایجنٹ قرار دیا گیا، ان کی حب الوطنی پر طرح طرح کے سوال اٹھائے گئے۔ غیر ملکی قوتوں کا آلہ کار قرار دیا گیا، ننگِ وطن اور ننگِ دیں سمجھا گیا۔ احمد فراز کے مقدر میں بھی ملک دشمنی اور اسلام دشمنی کے الزامات لکھے گئے۔ فیض صاحب کی طرح ان کو بھی دشمن قوتوں کا آلہ کار قرار دیا گیا۔ فیض پر اگر روس کا ایجنٹ ہونے کا الزام لگا تو احمد فراز پر ہندوستانی ایجنٹ اور ہندوستان نواز ہونے کے الزامات لگائے گئے۔ وہ ان الزامات اور دشنام طرازیوں کو برداشت کرتا رہا اور اپنے وطن کے گیت گاتا رہا۔ غداری اور وطن دشمن ہونے کے علاوہ بے دین بلکہ دشمنِ دیں ہونے کے الزامات بھی فراز کے حصے میں آئے لیکن یہ سارے الزامات اور باتیں درباری وزراء اور ملاؤں کی عطا تھی ورنہ عوام ان پر اپنی جان نچھاور کرتے تھے۔ اقبال کے بعد بیسویں صدی میں اگر عزت، شہرت اور ہر دلعزیزی کسی کے حصے میں آتی ہے تو وہ فیض اور فراز ہیں۔ اس بات کا ان کو ادراک بھی تھا اس لئے وہ حکومتی ایوانوں سے داد وصول کرنے کی بجائے اپنے لوگوں سے قریب رہے۔ ڈاکٹر شاہ محمد مری احمد فراز کی مماثلت گل خان نصیر، فیض احمد فیض اور حبیب جالب سے قائم کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

"احمد فراز (اپنے طور طریقوں، طرزِ تکلم، اصولوں کی پابندی پہ سختی نرمی اور وضع قطع کے فرق سے قطع نظر) گل خان فیض، جالب اور عطا شاد کے فکری کارواں کے آخری مگر صف اول کے ساتھی تھے، وہ جوانوں کے شاعر تھے جوانی کے شاعر رومان کے شاعر، مزاحمت کے شاعر۔" (۴)

فیض کے قافلے کے آخری سالار اور صفِ اول کے فکری ساتھی احمد فراز ان کے شعری نظریے کے بھی جانشین تھے۔ انقلابی فکر و نظر کو جس طرح فیض نے جذبے اور احساس کی آمیزش سے بیان کیا ہے احمد فراز نے بھی اسی طرز بیان اور اسلوب کو اختیار کیا ہے۔ فیض کے جونیئر ہم عصر تھے لیکن ان کی موجودگی میں اپنے آپ کو منوایا۔ وہ فیض کے مقلدین کی بجائے اس کے ساتھیوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ اساتذہ سخن میں شمار ہونا ان کے لئے اعزاز کی بات تھی۔ فیض کی خوبی یہ تھی کہ انہوں نے ترقی پسند تحریک سے وابستگی کے باوجود رومانوی خیالات سے دستبرداری اختیار نہیں کی بلکہ ذکرِ محبوب اور اولادِ آدم و حوا کے مسائل کو ساتھ ساتھ لے کر چلے، اسی اسلوب بیان نے فیض کو ہم عصر شعرا جو خالصتاً ترقی پسند تحریک کے منشور کے دلدادا اور مفسر بن گئے تھے، سے ممتاز اور معتبر کر دیا تھا۔ احمد فراز نے اسی فنکاری کا مظاہرہ کیا اپنے قلم کو اپنے پیارے لوگوں کی امانت سمجھنے کے باوجود محبوب کے بدن کی تراش کو طاق نسیاں پر نہیں رکھا بلکہ محبوب کے سراپے کی کھل کر تعریف کی۔ محبت کے جذبات اور واردات قلب کی باتوں سے ان کی شاعری نوجوانوں کے دل کی دھڑکن بن گئی۔ میدان عشق ہو یا لحتیٔ کا دکھ فیض کی طرح فراز حسن جاناں سے غمِ زمانہ اور غمِ دیگراں کے درمیان سفر کرتے رہے۔ انفرادیت یہ آئی کہ فیض مشکل حالات اور عہد ستم کے اظہار میں بھی اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیتے جب کہ فراز کے لہجے میں بعض اوقات تلخی در آتی ہے مجروح سلطان پوری فراز کی شاعری کے بارے میں لکھتے ہیں:

"فراز اپنے وطن کے مظلوموں کے ساتھی ہیں۔ انہی کی طرح تڑپتے ہیں مگر روتے نہیں بلکہ ان زنجیروں کو توڑتے ٹکڑے بکھیرتے نظر آتے ہیں جو ان کے معاشرے کے جسم کو جکڑے ہوتے ہیں ان کا شعر نہ صرف یہ کہ اعلیٰ ادبی معیار کا ہے بلکہ ایک شعلہ ہے جو دل سے زبان تک لپکتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ یہ آئے فیض اور ن۔م۔ راشد کے بعد مگر اساتذہ سخن میں شمار ہوتے ہیں، ایک اچھا شاعر اپنے بعد آنے

والوں کو راہ دکھاتا اور متاثر کرتا ہے۔ فراز کا شمار اب ان میں ہے۔"
(۵)

احتجاج اور مزاحمت کو بہترین عنائیہ انداز میں بیان کرنا فیض کے بعد احمد فراز کی خوبیِ کلام تھی۔ اردو شاعری کی رومانوی روایات کو بھی احمد فراز نے موثر انداز میں آگے بڑھایا۔ ان کے کلام کا وہ حصہ جو حرف و حکایتِ دل ہے وہ زیادہ جان دار ہے یہی حدیث دل ان کی شہرت اور مقبولیت کا باعث بھی بنی تاہم ان کی احتجاجی لے اتنی تیز اور اتنی بلند ہے کہ ظلم کی دیواروں کو توڑ کر ظالموں کے لطف ستم کا نشہ ہرن کر دیتی ہے۔ ہندوستان کے نامور نقاد ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، احمد فراز کے حوالے سے کہتے ہیں:

"لطف سخن اور قبول عام کو خداداد کہا گیا ہے فراز اس کی شاید آخری مثال تھے۔ پشاور کا ایک پشتو بولنے والا اردو شاعر اپنے رومان پرور لب و لہجے سے سب کی توجہ کا مرکز بن گیا جمالیاتی احساس کے وفور اور رومانی لے کی اثر پزیری سے فراز نے بہت سے فنکاروں کو اپنا گرویدہ بنالیا۔ پھر فیض کی مزاحمتی انقلابی میراث بھی بیش از بیش فراز کے حصے میں آئی اور فراز کی شعری آواز عشق و محبت کی سرمستی اور گداختگی کے ساتھ ساتھ سیاسی جبر اور سماجی انصاف کے خلاف احتجاج کا نشان سمجھی جانے لگی۔" (۶)

فیض نے شعریت اور فکر کو اس طرح آمیز کیا ہے کہ یہ واعظانہ اور خطیبانہ انداز اختیار کرنے کی بجائے جذبات کے خلوص میں ڈھل کر بہترین انقلابی شاعری بن گئی ہے۔ فکر اور شعر کی اس آمیزش میں محنت بھی اثر نہیں لاتی۔ یہ محض خداداد صلاحیت ہوتی ہے۔ فیض کے بعد یہ ودیعتِ خداوندی احمد فراز کے حصے میں آئی، ڈاکٹر محمد حسن لکھتے ہیں:

"انہوں (فراز) نے شاعری کی شعریت اور خیال کی قوت دونوں کے درمیان ایسا نادر مفاہمہ کیا ہے جس کی مثال انکے دور میں فیض کے سوا کہیں نہیں ملتی۔" (۷)

حرمتِ قلم اور تقدیس انسان احمد فراز کی شاعری اور خاص طور پر انقلابی شاعری کی اساس ہے۔ انسانوں کی تذلیل کے خلاف ان کی آواز بھرپور انداز میں سنائی دیتی ہے وہ چند ٹکڑے کے عوض مصلحت کی چادر اوڑھ کر اصولوں سے انحراف نہیں کرتے۔ وہ کبھی درباری شاعر نہیں بنے ہمیشہ عوام اور ان کے دکھوں کی بات کی اور اپنے قلم کو اپنے ضمیر کی آواز قرار دیتے ہیں۔ قمر رئیس لکھتے ہیں:

"ان (فراز) کی تمام شاعری، زمین پر انسان کی تذلیل اور غلامی کے خلاف ہمہ گیر احتجاجی جذبات سے معمور ہے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ فیض احمد فیض کے بعد وہ پاکستان وہندوستان میں سب سے زیادہ ہر دل عزیز اور مقبول شاعر تھے۔ وہ ایک سچے انقلابی تھے اور انقلاب کا تصور انکے ذہن میں صرف سیاسی تبدیلی نہیں تھا بلکہ سماجی انصاف اور مساوات پر مبنی ایک صحت مند نظام کا قیام تھا۔" (۸)

فیض احمد فیض اور احمد فراز میں یہ بھی مماثلت تھی کہ دونوں نے ملک میں فوجی آمریتوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ ایوب خان، ضیاء الحق اور پرویز مشرف کے دورِ اقتدار میں فراز احتجاجی شاعری نہ صرف لکھتے تھے بلکہ مشاعروں میں جھوم جھوم کر سناتے بھی رہے۔ اس کی احمد فراز کو قیمت چکانی پڑی۔ کبھی قید، کبھی وطن بدری اور کبھی نوکری سے نکال دیا گیا۔ امجد اسلام امجد احمد فراز کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"اس (فراز) نے آمریت کے خلاف شاعری نہ صرف ہر دور میں لکھی بلکہ اسے بہ بانگ دہل اسٹیج پر پڑھا اور سنایا بھی اور یوں ساری عمر فیض، قاسمی اور جالب کی شعری روایات کا امین بھی رہا۔"(۹)

سید مظہر علی شاہ احمد فراز کو فیض احمد فیض اور حبیب جالب کا جانشین قرار دتے ہیں ۔ وہ فراز کو فیض کا نعم البدل سمجھتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

"فیض کی طرح احمد فراز نے اکثر قید وبند کی صعوبتیں جھیلیں اور ملک بدری کا شکار ہوئے جب تک فراز زندہ رہے اردو شاعری سے شغف رکھنے والے لاکھوں انسانوں کو فیض اور حبیب جالب کی بھی کمی محسوس نہیں ہوئی تھی۔"(۱۰)

لندن میں طویل عرصے تک فیض احمد فیض اور احمد فراز ایک ساتھ رہے یہ ان کا جلا وطنی کا دور تھا۔ دونوں کے شب روز ایک ساتھ گزرے دونوں ہم نوالہ ہم پیالہ تھے اور غالب کے مطابق ہم پیشہ بھی تھے، ہم مشرب بھی تھے اور شاید ہم راز بھی۔ یوں احمد فراز کو ان کے ساتھ رہ کر بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ جس کی وجہ سے فراز پر فیض کے اثرات نمایاں ہیں۔ ڈاکٹر مزمل حسین لکھتے ہیں:

"فراز کی مزاحمت اور انقلابیت کے رنگ کو اگرچہ فیض کی فکر کی توسیع کہا جاتا ہے لیکن اس رنگ کے عقب میں جو طرز احساس کارفرما ہے اس کی تشکیل میں فراز کا اپنا تجربہ بولتا ہے۔ بقول جابر علی سید احمد فراز

کے فن میں کچھ تعصب فیض اور احمد ندیم قاسمی کا ہے تاہم مجموعی طور پر فراز خود سوچنے والا شاعر ہے۔"(۱۱)

فکری اور شعری انداز کی یکسانیت کے باوجود بیان میں مکمل انفرادیت بھی موجود ہے جو فیض احمد فیض کی جداگانہ طرزِ اسلوب کی غماز ہے۔ فیض اور فراز کی یہ انفرادیت ان کے لہجے کی طرح ان کے کلام میں بھی تندی اور نرمی محبتوں اور نفرتوں کے اظہار میں شدت اور اعتدال پر مبنی ہے۔ ڈاکٹر مزمل حسین احمد فراز کی فیض احمد فیض سے انفرادیت کے حوالے سے تحریر کرتے ہیں:

"جہاں تک فیض اوراحمد فراز، ہر دو کے شاعرانہ لہجے کی بات ہے تو یہاں دونوں میں ایک واضح فرق ہے۔ فیض کی شاعری کا ایک بنیادی عنصر رومانی حقائق کی ترجمانی کر رہا ہے۔ فیض اپنی رومانی دنیا شدید اور تند آرزوئیں ، محبتوں نفرتوں اور رنجشوں سے تعمیر کرتے وہ اپنے رویوں میں نہایت ملائم اور کومل انداز اختیار کرتے ہیں ایسا لگتا ہے جیسے رات کی پر سکوت تنہائی میں بنسری کے سر بکھر رہے ہیں۔ اس لیے فیض کی شاعری کو توازن کی مثال تصور کیا جاتا ہے ۔فیض کے مقابلے میں فراز کے لہجے میں تندی کا عنصر غالب ہے ان کا لہجہ بھی رومان کے رستے اپنا اظہار پاتا ہے لیکن ہر اس گھٹا کی مانند ہے جس کی کڑک میں سرکشی اور بے تابی غالب ہوتی ہے۔"(۱۲)

فیض کا تعلق سیالکوٹ سے تھا وہ یہاں پر میدانی علاقوں میں بہنے والی ندی کی طرح پر سکون اور میانہ رو ہیں جبکہ احمد فراز چونکہ کوہاٹ کے پہاڑی علاقے سے تعلق رکھتے ہیں اس لیے ان کے کلام اور لہجے میں پر شور اور تند و تیز ندی نالوں والی کیفیت پائی جاتی ہے۔یہی طرز اسلوب اور طرز ادا ان کی انفرادیت کا باعث بھی ہے۔اس شدت اظہار نے ان کو فیض کی ہو بہو نقل بننے نہ دیا ورنہ اہلِ نقد نے تو اس الزام میں کسر نہ چھوڑی تھی۔ مقبولیت اور شہرت کے حوالے سے بھی فیض کے بعد فراز کا نام ہے۔ شہناز نقوی لکھتی ہیں:

"فراز، فیض اور جالب کے بعد کی مزاحمتی اور انقلابی شعری روایت کا تسلسل ضرور ہے مگر ان کے احتجاج میں بھی ایک رومانس نظر آتا ہے جو قاری یا سامع کو متوجہ کرتا ہے مگر ایک اعتدال کے ساتھ شدت پسندی یا جنونیت کی کالی چادر پھیلی کہیں بھی ہمیں نظر نہیں آتی ان

کے احتجاج میں بھی وقار ہے فیض احمد فیض کے بعد اگر کسی شاعر نے
صحیح معنوں میں دلوں پر حکمرانی کی تو وہ احمد فراز ہی ہیں۔"(۱۳)

احمد فراز نے ترقی پسند تحریک سے وابستہ شعرا میں سے خاص طور پر فیض احمد فیض اور احمد ندیم قاسمی کی ہم نشینی کو پسند کیا اگرچہ فیض اور قاسمی دو الگ الگ سوچوں اور خیالات رکھنے والے شاعر تھے دونوں کے درمیاں ایک خلیج ہمیشہ قائم رہی۔ احمد فراز کی خوبی یہ تھی کہ وہ دونوں اساتذہ سخن کے قریب رہے۔ فراز نے فیض اور قاسمی دونوں سے محبت اور خلوص کا تعلق استوار رکھا۔ اصغر ندیم سید احمد فراز کی تربیت میں فیض اور احمد ندیم قاسمی کی صحبت کے اثرات کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"فیض صاحب نے ایک طرح سے احمد فراز کو گود لیا تھا اور بڑے لاڈ پیار سے پالا تھا۔ فراز ان کا بہت چہیتا تھا بلکہ منہ چڑھا تھا۔ لوگ فراز کو فیض صاحب کے شعری اسلوب کی کاپی بھی قرار دیتے تھے لیکن ایسے میں یہ ہوا کہ فراز کی محبت احمد ندیم قاسمی سے بھی جڑیں پکڑ چکی تھی کیونکہ قاسمی صاحب کی شاعری بھی عجیب طرح کا گداز رکھتی تھی ۔احمد فراز اب دو کشتیوں میں پاؤں رکھ چکے تھے لیکن دونوں کشتیوں کے ملاحوں کی اعلیٰ ظرفی یہ تھی کہ وہ اپنے سوار کی حفاظت کر رہے تھے۔ فیض صاحب نے فراز کو ایسا پیار کیا کہ وہ ان سے نہال ہو کر نکلے تو قاسمی صاحب نے ان کو محبت کی گود میں لے لیا۔ میں نے خود فیض صاحب کو فراز کے متعلق کہتے ہوئے سنا کہ "بھئی وہ اگر نوجوانوں میں مقبول ہے تو کوئی تو بات ہو گی" ایسے ہی قاسمی صاحب نے بھی فراز کے متعلق کہا کہ "اردو غزل کو دل کی دھڑکن مل گئی ہے"۔ احمد فراز کے لئے دو بڑوں کی محبت کافی نہیں تھی اس کی فنی زندگی کا سفر بے پناہ آزمائشوں سے بھرا ہوا تھا۔"(۱۴)

احمد فراز مکتبہ فیض کے ساتھ ساتھ احمد ندیم قاسمی کے ادبی مسلک سے بھی منسلک رہے۔ جس نے ان کی فکر اور فن کو محدود نہ ہونے دیا۔ اہل نقد نے احمد فراز کی غزل کو فیض احمد فیض کے زیر اثر اور نظم کو احمد ندیم قاسمی کی فکر کے قریب تر قرار دیا ہے۔ مجموعی طور پر وہ فیض کی شعری روایت کے شاعر ہیں۔ بندہ مزدور کے اوقات کی تلخی کو کم کرنے اور ان کے حقوق کے لیے ان کی شاعری اہم ذریعہ بنی۔ احمد فراز نے اپنی مقدور بھر کوشش کی۔ فراز عملی طور پر بھی متحرک تھے، بلوچستان کے حوالے سے حاکم وقت پرویز مشرف سے اختلاف

رکھتے تھے۔ احمد فراز عملی طور پر اپنے اس نظریے کو ایک پریس کانفرنس کے ذریعے بیان کیا ،ان کے اس عمل کی وجہ سے ان کو نوکری سے بھی ہاتھ دھونے پڑے ،انہوں نے اس حکومت کی طرف سے ملنے والے اعزاز کو بھی حکومتی پالیسیوں سے اختلاف کی بنا پر احتجاجاً واپس کر دیا۔

فیض احمد فیض اور احمد فراز میں ملکی مسائل ، بین الا قوامی معاملات اور معاشرتی رویوں کے حوالے سے بھی ہم خیالی پائی جاتی تھی۔ ملکی سطح پر دونوں شعرا فوجی آمریت کے خلاف تھے ،وہ ملک کے رکھوالوں کی طرف سے ملک پر قبضے کے خلاف تھے۔ اپنے ہی لوگوں پر طاقت کے زور پر قابض ہونا اور جبر کے ذریعے ان کی آواز دبانا فوجی آمرانہ حکومت کا وصف تھا۔ اس میں لوگ گھٹن محسوس کرتے تھے اس گھٹن اور جبر کے خلاف فیض احمد فیض اور بعد ازاں احمد فراز نے صدائے احتجاج بلند کی جس کی وجہ سے ان کو قید وبند اور جلاوطنی کی تکالیف سہنا پڑیں۔ بین الا قوامی معاملات اور مسائل پر بھی وہ یکساں موقف رکھتے تھے۔ فلسطین کے معاملے پر ان کی سوچ اور فکر ہم آہنگ تھی۔ وہ فلسطین پر اسرائیل کے غاصبانہ قبضے کے خلاف تھے۔ فیض صاحب کی بہت سی نظمیں فلسطین پر ان کے موقف کی ترجمان ہیں۔ افریقہ پر بھی فیض نے لکھا، ان کے معاملات اور تحریک کے ساتھ اپنی نظریاتی حمایت کا اظہار کیا۔ احمد فراز نے افریقی شعرا کے کلام کو ترجمہ کیا اور بتایا کہ افریقہ اور پاکستان کے بعض مسائل ایک جیسے ہیں اس لئے ان کے کلام میں بڑی اپنائیت ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام میں مزدوروں، کسانوں اور ہاریوں کے حالات بہت مشکل ہو جاتے ہیں،چند سرمایہ دار دولت کے سہارے غریب لوگوں کے حقوق سلب کر لیتے تھے ۔ سرمایہ پرستی میں دو طبقات وجود میں آتے ہیں،ایک امیر اور سرمایہ دار طبقہ جو شاہانہ زندگی گزارتا ہے اور دوسری طرف مجبور اور مظلوم غریب طبقہ جو بنیادی حقوق سے بھی محروم ہوتا ہے۔ غریب کے پاس خواہشات تو کیا ضروریات پوری کرنے کی بھی سکت نہیں ہوتی۔ اس سرمایہ پرستی کے نظام کے خلاف فیض احمد فیض اور احمد فراز یکساں نظریہ اور ایک جیسے خیالات رکھتے تھے۔ وہ قدرتی وسائل پر سب کے یکساں حق پر یقین رکھتے تھے۔ اسی وجہ سے وہ ترقی پسند تحریک سے وابستہ ہوئے تھے جس میں عام اور غریب لوگوں کو مساوی وسائل اور حقوق دینے کی بات تھی۔ احمد فراز اور فیض صاحب دونوں ادب برائے ادب کی بجائے ادب برائے زندگی کے سفیر تھے وہ اس چیز کے قائل نہیں تھے کہ انسانیت دم توڑ رہی ہو انسان کسمپرسی کی حالت میں ہو اور شاعر ادیب محض پریوں اور شہزادوں کے قصوں میں گم رہیں۔ شاعر تو معاشرے کا حساس ترین فرد ہوتا ہے وہ اپنے اردگرد کے حالات سے کیسے بے خبر رہ

سکتا ہے۔شاعر کو خوبصورت مناظر کی بات بھی کرنی چاہیے تاہم ان کی شاعری کا مرکزی خیال اور مرکزی کردار انسان ہونا چاہیے۔احمد فراز لکھتے ہیں:

"وہ لوگ جن کا شاعری میں کوئی نصب العین نہیں ہے شاعری کو صرف تفریحentertainmentکی حیثیت سے لیتے ہیں کہ بس واہ واہ ہو جائے تو میں انہیں برا نہیں کہتا مگر میں ان کی قدر کرتا ہیں جو کسی سوشل یا پولیٹکل پروگرام پر چلنے اور لوگوں کے اصل مسائل کو ڈسکس کرتے ہیں مثال کے طور پر اقبال کو لیں، کیا انہوں نے شاعری کے ذریعے ایک پیغام لوگوں تک نہیں پہنچایا، انہوں نے اپنا سارا messageشاعری کے ذریعے ہی دیا تھا تو آج کے مسائل جب کہ ہم زیادہ واضح طور پر دیکھتے ہیں اور محسوس کرتے ہیں تو یہ زیادہ بہتر ہے کہ شاعر کسی خاص اور مثبت نظریے پر کام کرے ،میں ان چیزوں پھولوں پہاڑوں دریاؤں وغیرہ پر شاعری کرنا ناپسند کرتا ہوں یہ چیزیں مجھے بھی عزیز ہیں مگر میں زیادہ تر انسانیت پر سوچتا ہوں، آج کل مسائل اتنے بڑھ چکے ہیں کہ ایک شاعر چاہے بھی تو ان سے خود کو نہیں ہٹا سکتا۔"(۱۵)

کسی نظریے اور واضح نصب العین کو سامنے رکھ کر شاعری کرنا ادب برائے زندگی کہلاتا ہے۔فیض اور فراز دونوں نے رومانوی شاعری بھی کی تاہم با مقصد اور ترقی پسند تحریک کے منشور پر انہوں نے شاعری کی۔علامہ اقبال کی شاعری بھی ایک مقصد اور واضح نصب العین کے مطابق تھی،اس کا آغاز مولانا الطاف حسین حالی نے کیا۔

ایک جیسے ماحول میں تربیت پانے کی وجہ سے فیض احمد فیض اور احمد فراز نے ایک جیسی مذہبی تراکیب اور تلمیحات کا استعمال کیا ہے جو ان کو شعری حوالے سے ایک دوسرے کے قریب کر دیتا ہے۔فیض اور فراز شاعری میں ایسے الفاظ تراکیب اور تلمیحات بکثرت پائی جاتی ہے جن میں بسم اللہ، خدا، کن فیکون، قیامت، روزِ جزا اور محشر وغیرہ جیسے الفاظ و تراکیب ان کی ذہنی ہم آہنگی کا پتہ دیتی ہیں۔

اپنی شاعری اور فکر کے اعتبار سے فیض احمد فیض اور احمد فراز مطمئن تھے۔نظریاتی اور فنی اطمینان ان کو لوگوں سے ملنے والے پیار اور محبت کی وجہ سے تھا فیض احمد فیض نے اپنی شاعری کے موضوعات کے حوالے سے واضح کیا تھا کہ وطن سے محبت اور اہل وطن سے گہرا لگاؤ ان کی شاعری اور عشق کا ایک عنوان ہے دوسرا امیدان محبوب کی باتیں اور اس سے

محبت ہے۔ فیض ہر دو کے اعتبار سے خوش اور مطمئن ہیں کہ دونوں نظریات پر ثابت قدمی سے قائم رہا ہوں اور ان میں ایسا کچھ نہیں کیا اور نہ لکھا ہے جو باعثِ ننگ و عار ہو فیض احمد فیض کہتے ہیں :

اِس عشق نہ اُس عشق پہ نادم ہے مگر دل
ہر داغ ہے اس دل میں بجز داغِ ندامت

(نسخہ ہائے وفا، ۱۴۶)

احمد فراز بھی اپنی فکر اور نظریات کے ساتھ ساتھ اپنی شاعری سے بہت مطمئن تھے۔ جب بھی وطن پر مشکل وقت آیا تو یہ میدان میں اترے سپاہیوں کے ساتھ اپنے قلم کے ذریعے ان سے وابستگی اور حمایت کے ساتھ ساتھ اپنے ملی نغمات کے ساتھ ان کا جوش بڑھاتا رہا۔ میدان عشق میں بھی وہ محبوب کی ناز و ادا اور لب و رخسار کے قصیدوں سے اسے سرفراز کرتا رہا ہے۔ اسی وجہ سے فراز اپنی شعری دنیا میں سرخرو ہے۔ وہ جگہ جگہ پہ اپنے قلم کی سرخروئی کی بات کرتا ہے، احمد فراز اپنی شاعری کے حوالے سے کہتے ہیں:

دیکھو تو بیاضِ شعر میری
اک بھی حرف سرنگوں نہیں ہے

(بے آواز گلی کوچوں میں، ص۴۵)

فیض احمد فیض اور احمد فراز فکری اور شعری دونوں اعتبار سے مماثلت رکھتے تھے۔ فیض کی مملکتِ سخن کا اصل وارث اور شعری میراث کا صحیح جانشین احمد فراز ہے۔ فیض کی فکر کی توسیع اور شعری روایت کا امین بھی احمد فراز ہے۔ دونوں خدایان سخن نے شہرت، مقبولیت اور ہر دلعزیزی کے بام عروج کو چھوا، جیتے جی ان کو مداحین، سخن شناس اور عقیدت مندوں کی طرف سے اتنا پیار اور عزت ملی جو افسانہ بن جاتی ہے۔ احمد فراز اور فیض فکری ، نظریاتی، ذاتی اور شعری روایت کے اعتبار سے بہت سارے اشتراکات رکھتے تھے اسی وجہ سے اہل نقد نے بھی احمد فراز کی فکر اور فن کو فیض کے حوالے سے دیکھا ہے، احمد فراز نے اپنے بارے میں ( یہی بات فیض احمد فیض پر بھی صادق آتی ہے ) بالکل درست فرمایا تھا:

تیرا کہنا کہ ہمیں رونق محفل ہیں فراز
گو تعلی ہے مگر بات خدا لگتی ہے

(تنہا تنہا۔ ص۱۶۶)

## حوالہ جات


۱۔ احمد فراز، فلیپ: شب خون، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، ۱۹۹۸ء

۲۔ زیڈ -اے ۔بخاری ، میں نے جو کچھ بھی کہا ، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۰۲ء، ص ۱۱۔۱۲

۳۔ ایضاً، ص ۱۳

۴۔ شاہ محمد مری، ترے قلم کا سفر رایئگاں نہ جائے گا، مشمولہ: ادبیات، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، جلد ۱۸، شمارہ ۸۱، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۸ء، ص ۱۶۲

۵۔ احمد فراز، فلیپ: خواب گل پریشاں ہے، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، ۲۰۰۶ء

۶۔ گوپی چند نارنگ، ادبیات، جلد ۱۸، شمارہ ۸۱، ص ۲۵۸

۷۔ محمد حسن، جر ات اور درد مندی، مشمولہ: ادبیات ، جلد ۱۸، شمارہ ۸۱ ، ص ۲۵۸، ص ۷۶

۸۔ قمر رئیس، احتجاجی جذبات اور مزاحمتی احساس، مشمولہ: ادبیات، جلد ۱۸، شمارہ ۸۱ ، ص ۲۵۸، ص ۷۸

۹۔ امجد اسلام امجد، احمد فراز، مشمولہ: ماہ نو خصوصی نمبر، ڈائریکٹوریٹ جنرل آف فلمز اینڈ پبلی کیشنز، لاہور، جلد ۶۲، شمارہ نمبر ۱، جنوری ۲۰۰۹ء، ص ۲۰۷

۱۰۔ مظہر علی شاہ، سلسلے توڑ گیا وہ سبھی جاتے جاتے ، مشمولہ: ماہ نو خصوصی نمبر، جلد ۶۲، شمارہ نمبر ۱، ص ۲۰۳

۱۱۔ مزمل حسین ، فراز کی شاعری کا فنی و فکری جائزہ ، مشمولہ: ماہ نو خصوصی نمبر، جلد ۶۲، شمارہ نمبر ۱، ص ۳۲۵

۱۲۔ ایضاً، ص ۳۲۴۔۳۲۵

۱۳۔ شہناز نقوی، احمد فراز کی شاعری کے دھنک رنگ، مشمولہ: ماہ نو خصوصی نمبر، جلد ۶۲، شمارہ نمبر ۱، ص ۲۲۸

۱۴۔ اصغر ندیم سید، وہ حساب آج چکا دیا، ماہ نو، مشمولہ: ماہ نو خصوصی نمبر، جلد ۶۲، شمارہ نمبر ۱، ص ۱۰۲

۱۵۔ احمد فراز، یار اغیار کے ہاتھوں میں کمانیں تھیں فراز، مشمولہ: ادبیات ، جلد ۱۸ ، شمارہ ۸۱، ص ۲۵۸، ص ۲۹۷


☆☆☆